مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی حجیت حدیث کے حوالے سے خدمات: ایک تحقیقی جائزہ

Maulana Syed Abul A'la Maududi's Contributions to the Authority of Hadith: An Analytical Study

Bilal Hussain
M.Phil Research Scholar, Department of Islamic Studies,
Qurtuba University of Science and Information Technology,
Peshawar, KP Pakistan
Email: bilalhussainkhaksar@gmail.com
Dr Hafiz Sardar Ali
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Qurtuba University of Science and Information Technology,
Peshawar, KP Pakistan
Email: dr.sardarali@qurtuba.edu.pk

Abstract

This research paper aims to examine the contributions of Maulana Syed Abul A'la Maududi (RA) regarding the authority (Hujjat) of Hadith in Islamic jurisprudence. Maududi, a renowned Islamic scholar and thinker, played a pivotal role in revitalizing the understanding and application of Hadith in the modern context. He emphasized the necessity of Hadith alongside the Quran for a comprehensive understanding of Islamic teachings, law, and ethics. This paper delves into his views on the reliability and authenticity of Hadith, highlighting his critical approach to the compilation and interpretation of Hadith literature. It also explores how Maududi addressed the challenges posed by modernity to the traditional understanding of Hadith, advocating for its essential role in forming an Islamic state and society. Through a detailed analysis of his works, this study seeks to provide a deeper insight into Maulana Maududi's intellectual efforts to establish the authority of Hadith as a fundamental source of Islamic law and guidance.

Keywords: Maulana Maudud, Hadith, Hujjat, Islamic jurisprudence, modernity, Islamic state, authenticity

تمہید:

رسول اللہ ﷺ نے آئندہ زمانے کے مختلف فتنوں اور حوادث کا ذکر کیا ہے فتنہ انکارِ حدیث کے حوالے سے بھی امت کو خبردار کیا ہے۔"لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته، يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه، فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه"[1]

"میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات میں سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں انکار حدیث کی ابتدا اور تیرھویں صدی ہجری میں انکارِ حدیث کی مختلف اور جدید شکلیں وجود میں آگئیں۔

مؤخر الذکر فتنے کا مرکز برصغیر ہندوپاک ہے۔ جس کے منکرین حدیث میں سے بعض نے اپنے آپ کو علی الاعلان 'اہل قرآن' بھی کہلوایا، جن میں زیادہ مشہور عبد اللہ چکڑالوی تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش، مصلی پر تکیہ لگا کر حدیثِ نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان عبد اللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتا ہے۔

جس کے حوالے سے مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"غور فرمایا آپ نے کہ حضور ﷺ کا فرمان کتنا حرف بحرف صحیح نکلا ہے بلکہ معجزہ ثابت ہوا ہے کہ عبد اللہ چکڑالوی نے 'اریکہ' یعنی تخت پوش پر بیٹھ کر (پلنگ پر بیٹھ کر) تکیہ لگائے ہوئے کہا ہے: لاأدري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه[2] "میں نہیں جانتا حدیث کو، حدیث دین کی چیز نہیں ہے۔ میں تو صرف قرآن پر ہی چلوں گا۔"

فتنۂ انکار حدیث، حضورِ اکرم ﷺ کے فرمان کا مصداق ہونے کے علاوہ حجیتِ حدیث کی دلیل اور اہل ایمان کے لئے حدیث پر مزید یقین کا سبب بھی بنا۔

زمانہ قدیم میں خوارج اور معتزلہ کا انکارِ حدیث:

پہلی صدی ہجری تک قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ نبوی ﷺ کو متفقہ طور پر حجتِ شرعی تسلیم کیا جاتا رہا۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس فتنہ کی ابتدا کرنے والے خوارج اور معتزلہ تھے جو احکام شریعت کو عقل کے ترازو پر پرکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ "اہل سنت، شیعہ، قدریہ، تمام فرقے آں حضرت کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔[3]

محمد نجم الغنی 'معتزلہ' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ہیں:

"وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصریؒ کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے، جو کہتی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ بالکل مؤمن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے، درمیان منزل ایمان وکفر کے۔ تو انہوں نے کہا: ھؤلاء اعتزلوا یعنی یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے اجماعِ اسلام سے۔ تب وہ فرقہ 'معتزلہ' کہلانے لگا"[4]

'خوارج' انکارِ حدیث کے فتنہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن سے ملے گی۔

مفتی ولی حسن ٹونکی خوارج کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے 'خوارج اور انکارِ حدیث' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

انکارِ حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی۔ کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی، اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور اسی انکارِ حدیث کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔"[5]

امام ابن حزمؒ خوارج اور معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجبِ علم نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا اِمکان ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔"[6] خوارج کی طرف سے انکارِ حدیث کی وجہ ان کے انتہا پسند انہ نظریات او رمقاصد تھے جو سنتِ رسول ﷺ کی موجودگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ جب کہ معتزلہ نے یونانی فلسفوں سے متاثر ہو کر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور اسلام کے احکامات کو عقلی تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی مگر اس رستے میں رسول اکرم ﷺ کی سنت حائل تھی۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ خوارج اور معتزلہ کے اغراض ومقاصد اور ان کی ٹیکنیک بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ان دونوں فتنوں کی غرض اور ان کی ٹیکنیک مشترک تھی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قومی وعملی تشریح وتوضیح سے اور اس نظامِ فکر وعمل سے جو خدا کے پیغمبر ﷺ نے اپنی رہنمائی میں قائم کر دیا تھا، الگ کرکے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے اور پھر اس کی من مانی تاویلات کر

کے ایک دوسرا نظام بنا ڈالا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔ اس غرض کے لئے جو ٹیکنیک انہوں نے اختیار کی، اس کے دو حربے تھے: ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے، یہ کہ اصولی سوال اٹھا دیا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضور ﷺ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت واتباع کے پابند کب ہیں؟ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا اس کے بعد محمد بن عبداللہ ویسے ہی ایک انسان تھے، جیسے ہم ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا، وہ ہمارے لئے حجت کیسے ہو سکتا ہے؟"[7]

خوارج اور معتزلہ کے فتنے زیادہ وقت نہ چل سکے اور تیسری صدی کے بعد تو مکمل طور پر مٹ گئے۔ ان فتنوں کے زوال کے مختلف اسباب تھے جن میں ایک اہم سبب یہ تھا کہ فتنہ کی تردید میں وسیع تحقیقی کام کیا گیا۔ امام شافعیؒ نے 'الرسالہ' اور 'کتاب الام' میں اس فتنہ کا ردّ پیش کیا... امام احمدؒ نے مستقل ایک جز تصنیف کیا جس میں اطاعتِ رسول ﷺ کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں منکرین حدیث کے نظریات کی تردید کی گئی۔ حافظ ابن قیمؒ نے 'اعلام الموقعین' میں اس کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے، بعد ازاں امام غزالیؒ نے 'المستصفی'، ابن حزمؒ نے 'الاحکام' اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے 'الروض الباسم' میں اس فتنہ کے ردّ میں دلائل دیئے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد صدیوں تک اسلامی دنیا میں کہیں بھی انکارِ حدیث کی کوئی تحریک نہیں اُٹھی اور یہ فتنہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ تیرہویں صدی ہجری (اُنیسویں صدی عیسوی) میں انکارِ حدیث کا فتنہ دوبارہ اُٹھا۔ انکارِ حدیث کے پہلے فتنے کا مرکز عراق تھا جب کہ تیرھویں صدی ہجری میں اس فتنے نے برصغیر ہندوپاک میں سر اٹھایا۔

فتنہ انکار حدیث کا برصغیر میں آغاز:

انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر میں انکار حدیث کی ابتدا کن لوگوں نے کی؟ منکرین حدیث کے مشہور سلسلے کون کون سے ہیں؟ نیز فتنہ انکار حدیث کو کن لوگوں نے فروغ دیا؟ اس سلسلے میں محققین علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض کی آرا ذیل میں پیش کی جاتی ہیں: مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جو حجیتِ حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں انکارِ حدیث کی آواز اٹھانے والوں کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اٹھائی۔ ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا بلکہ سر سید احمد خان سے ایک قدم آگے بڑھے۔ کیونکہ سر سید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت واحترام کرتے تھے۔ واقعاتِ نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتبِ احادیث سے دیتے تھے۔ بر خلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی حدیثِ نبوی ﷺ کو 'لہو الحدیث' سے موسوم کیا کرتے۔"[8]

فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ:

مفتی محمد تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی، لیکن انہوں نے انکارِ حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی، اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفیدِ مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعہ سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا، پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سندِ جواز دی گئی۔ ان کے بعد نظریۂ انکارِ حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا اور یہ ایک فرقہ کا بانی تھا، جو اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتا تھا۔ اس کا مقصد حدیث سے کلیتاً انکار کرنا تھا، اس کے بعد جیراج پوری نے اہل قرآن سے ہٹ کر اس نظریہ کو اور آگے بڑھایا، یہاں تک کہ پرویز غلام احمد نے اس فتنہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور اسے منظم نظریہ اور مکتبِ فکر کی شکل دے دی۔ نوجوانوں کے لئے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔"[9]

برصغیر میں منکرین حدیث کے سلسلوں کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس طرح فنا کے گھاٹ اتر کر یہ انکارِ سنت کا فتنہ کئی صدیوں تک اپنی شمشان بھومی میں پڑا رہا یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پھر جی اٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا، اب دوسرا جنم اس نے ہندوستان میں لیا۔ یہاں اس کی ابتدا کرنے والے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علم بردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امر تسری نے اس کا بیڑا اٹھایا، پھر

مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے اور آخر کار اس کی ریاست چوہدری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی، جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا ہے۔"[10]

درج بالا آرا کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کو سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی احمدالدین امرتسری، حافظ اسلم جیراج پوری اور چوہدری غلام احمد پرویز نے فروغ دیا اور اس کی ابتدا سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے کی۔ لیکن بعض محققین کے نزدیک برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث کے بانی عبداللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیتِ حدیث کا کھلا انکار کیا۔

جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ فتنۂ انکار حدیث کے بارے میں حضور پاک ﷺ کا فرمان اور پیشین گوئی عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ جیسا کہ اس کے انکارِ حدیث کی کیفیت محمد صادق سیالکوٹی کی زبانی پیچھے گزر چکی ہے۔

مفتی رشید احمدؒ لکھتے ہیں:

"عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دَبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمعِ رسالت ﷺ کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ 'طلوعِ اسلام' اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمربستہ ہیں۔"[11]

عبدالقیوم ندویؒ اپنی رائے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

حجیتِ حدیث کا کھلا انکار مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے کیا۔ اس سے پہلے صراحتاً انکار ملحدین اور زنادقہ سے بھی نہ ہو سکا۔"[12]

حکیم اجمیری اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں فتنہ 'انکارِ حدیث' کی خشتِ اوّل عبداللہ چکڑالوی نے رکھی تھی اور اسی بنیاد پر مولانا اسلم جیراج پوری اور جناب پرویز جیسے اہل قلم ایک قلعہ تیار کر رہے ہیں۔"[13]

"حدیث کا سرعام انکار، چودہویں صدی میں" کے عنوان کے تحت مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

"مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علوم سنت کی کھلی مخالفت کی۔"[14]

منکرینِ حدیث کے تعارف اور فتنہ انکار حدیث کی ابتدا کے بارے میں پیش کی گئی مختلف آرا کے تجزیہ سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے کہ سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے انکار حدیث کے نظریہ کو علیٰ

الاعلان اور بوضاحت پیش نہیں کیا بلکہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف دیکھی، اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ مزید یہ کہ بعض مقامات پر اپنے لئے مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کرتے رہے۔ خود سرسید احمد خان حدیث کی عزت و احترام بھی کرتے تھے اور واقعاتِ نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتبِ احادیث سے دیتے تھے۔ انہوں نے تمام احادیث کی صحت کا انکار نہیں کیا۔ البتہ احادیث کی صحت کے بارے میں ان کا اپنا ایک خود ساختہ معیار ہے۔

چنانچہ سرسید لکھتے ہیں:

"جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں۔ لاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم: یہ محض میری نسبت غلط اتہام ہے۔ میں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں، استدلال کرتا ہوں۔"[15]

محققین علماءِ کرام کی مذکورہ آرا کے مطابق عبداللہ چکڑالوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے برصغیر میں کھل کر حدیث کا انکار کیا اور فرقہ 'اہل قرآن' کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے انکارِ حدیث کے فتنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور حافظ اسلم جیراج پوری نے اس نظریہ کو مزید آگے بڑھایا۔ آخر میں غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کو ایک منظم نظریہ اور مکتبِ فکر کی صورت میں پیش کیا۔

برصغیر میں انکار حدیث کے علمبر داروں میں مولوی محب الحق عظیم آبادی، تمنا عمادی، قمر الدین قمر، نیاز فتح پوری، سید مقبول احمد، علامہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدا بخش، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی بھی شامل ہیں۔[16] ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی انکارِ حدیث کے مرتکب ہوئے مگر بعد ازاں انہوں نے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ تاریخِ حدیث پر ایک مدلل کتاب بھی تالیف کی۔[17]

انکارِ حدیث دراصل دین اسلام سے انحراف کی روش:

دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث اور تیرہویں صدی ہجری کے منکرین حدیث کے انکارِ حدیث کے سلسلے میں اغراض و مقاصد، حدیث کے بارے میں شبہات و اعتراضات اور انکارِ حدیث پر مبنی دلائل مختلف ہیں۔ شاید قدیم منکرین حدیث، دین سے مکمل آزادی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن برصغیر کے منکرین حدیث کی تحریروں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ان کے انکارِ حدیث کے موقف کے پس پردہ وہ عزائم ہیں جن سے ان کا

مقصود الحاد و لادینیت کا فروغ اور دین سے چھٹکارا اور آزادی حاصل کرنا ہے، ان کے ناپاک عزائم پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

"دشمنانِ رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کرکے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض وواجبات کی تفاصیل، صوم وزکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع وشراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین، ان سب اُمور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے، قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔"[18]

مولانا عبدالجبار عمرپوری نے 'حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شبہات اور ان کا ازالہ' کے عنوان کے تحت برصغیر کے منکرین حدیث کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال حیرت کے لائق نہیں کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول اللہ ﷺ سے منحرف اور ضروریاتِ دین سے برگشتہ ہیں۔ لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور توحید ورسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو صحیح وراست کہتے ہیں اور بااین ہمہ اسلام کے اجزاء وارکان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔"[19]

انکارِ حدیث صرف یہ نہیں کہ حدیث کو حجتِ شرعی اور شریعتِ اسلامیہ کا ماخذ ماننے سے انکار کیا جائے بلکہ احادیث کو مشکوک بنانا، اسلاف کی روش سے ہٹ کر اپنی خواہشِ نفس سے احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا، مستند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور حدیث کے معانی ومفاہیم کی غلط تاویلیں پیش کرنا بھی انکارِ حدیث کی مختلف صورتیں ہیں۔ برصغیر کے منکرینِ حدیث نے حدیث کے بارے میں جو شبہات واعتراضات پیش کئے ہیں، ان میں انکارِ حدیث کی مندرجہ بالا صورتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔

انکارِ حدیث کے فتنہ کے یہ علمبردار حدیث کو مشکوک بنانے اور اس سے دامن چھڑانے کے لئے اس قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں کہ احادیث، رسول اللہ ﷺ کے دو ڈھائی سو سال بعد تحریری شکل میں مرتب ہوئیں، اس لئے قابل اعتبار نہیں ہیں-؛ احادیث باہم متعارض ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے کتابتِ حدیث سے منع فرما دیا تھا؛ اکثر حدیثیں خبر واحد کے درجہ کی ہیں؛ قرآن مجید جو جامع اور کامل کتاب ہے، اس کی موجودگی میں حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اور اگر حدیث حجتِ شرعی ہوتی تو حضور ﷺ احادیث کو اسی اہتمام سے لکھواتے جس اہتمام سے آپ ﷺ نے قرآن مجید لکھوایا تھا۔

حدیثِ رسول ﷺ کے بارے میں منکرین حدیث نے اپنے مذکورہ بے بنیاد اور من گھڑت شبہات کو ثابت کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا بہت بڑا دفتر کھولا۔[20] اور اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مگر تیرہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک وہند میں انکارِ حدیث کے اس فتنے کے اٹھتے ہی اس خطے کے جید علماء کرام اور محققین اسلام اس فتنہ کے مضمرات کو بھانپ گئے۔ لہٰذا ان کو اس کے انسداد کی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اس بارے میں علماءِ کرام کی فکر مندی کا اندازہ شاہ محمد عزالدین میاں پھلواروی کے اس بیان سے سے لگایا جاسکتا ہے۔

"انکارِ حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُمڈا چلا آتا ہے۔ وہ کس طرح خرمن دین وایمان پر بجلیاں گرا رہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دنیا کے سامنے حدیث رسولِ کریم ﷺ کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔"[21]

چنانچہ دیگر فتنوں کی طرح انکارِ حدیث کے فتنہ کے خلاف برصغیر کے علماء کرام نے بیسیوں کتب لکھیں، جن میں نہ صرف حجیتِ حدیث کو قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا بلکہ منکرین حدیث کے شبہات واعتراضات کا مضبوط دلائل کے ساتھ ردّ پیش کیا گیا۔ مختلف دینی رسائل وجرائد نے اس فتنہ کے خلاف خصوصی نمبر شائع کئے، تحریری مواد کے علاوہ منکرین حدیث کے ساتھ علمی مناظرے بھی کئے گئے اور دینی اجتماعات میں بھی عوام الناس کو فتنۂ انکار حدیث کے عواقب و مضمرات سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ تحریری و تقریری کاوشوں نے منکرین حدیث کی کمر توڑ دی۔

انکار حدیث کے اسباب:

صاحبانِ فکر و نظر کے لئے اس امر کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس جدید انکار حدیث کی وجوہات کیا تھیں، برصغیر میں اس فتنے کے اُٹھنے کے اسباب داخلی بھی تھے اور خارجی بھی، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

داخلی اسباب:

1. خواہشاتِ نفس کی پیروی: دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمان کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآن وحدیث کے احکامات کا پابند ہے۔ یہ پابندی طبیعت میں آزادی رکھنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں پر گراں گزرتی ہے۔ احادیثِ نبویہ ﷺ جو قرآن مجید کے اُصول اور کلیات کی تفصیل ہیں، قدم قدم پر خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی میں رکاوٹ ہیں۔ نیز ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جب کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو 'مسلمان'

بھی کہلانا چاہتے ہیں اوران پابندیوں سے آزادی کے طلب گار بھی ہیں، لہٰذا احادیث کاانکار کر دیا گیا اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآنِ حکیم کو مانتے رہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"انکارِ حدیث کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث ہم تک معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچی بلکہ انکارِ حدیث کی اصل وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں آزادی ہے، یہ آزادرہناچاہتی ہے۔ نفس یورپ کی تہذیب اور تمدن پر عاشق اور فریفتہ ہے اور انبیاء ومرسلین کے تمدن سے نفور اور بیزار ہے، کیونکہ شریعتِ غراء اور ملت بیضاء اور احادیث نبویہؐ اور سننِ مصطفویہؐ قدم قدم پر شہواتِ نفس میں مزاحم ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اوّلین مقصد نفسانی خواہشوں کا کچلنا اور پامال کرنا تھا۔ اس لئے کہ شہوتوں کو آزادی دینے سے دین اور دنیا دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے منکرین حدیث نے ان دو متضاد راہوں میں تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی، وہ یہ کہ حدیث کا تو انکار کر دیا جائے جو ہماری آزادی میں سدِراہ ہے۔ اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآنِ کریم کا اقرار کر لیا جائے کیونکہ قرآن کریم ایک اُصولی اور قانونی کتاب ہے۔ اس کی حیثیت ایک دستورِ اساسی کی ہے کہ جو زیادہ تر اُصول وکلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایجاز اور اجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہے اور احادیثِ نبویہؐ اور اقوالِ صحابہؓ میں ان اصول اور کلیات کی شرح اور تفصیل ہے، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اس گروہ نے حدیثِ نبویؐ کا تو انکار کر دیا اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآنِ کریم کو مان لیا اور اس کے مجملات اور موجز کلمات میں ایسی من مانی تاویلیں کیں کہ جس سے ان کے اسلام اور یورپ کے کفر اور الحاد میں کوئی منافات ہی نہ رہی۔" وذلك غاية طلبعهم ونهاية طربهم [22]

خواہشات کی پیروی حدیث کی مخالفت کا ایک بنیادی سبب ہے، اس حقیقت کو مولانا محمد سرفرازیوں بیان کرتے ہیں:

"اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہ لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب وتمدن کے عادلانہ نظام کو یکسر توڑنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی تشریح ہے اور تعینات کی حدود میں، اپنی اَہوا اور خواہشات کی پیروی کے لیے وہ قطعاً کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ لہٰذا انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز ہی کو اصل سے مٹادیا جائے جو مکمل طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی تشریح اور حد بندی کرتی ہے۔ تاکہ وہ آزاد ہو جائیں اور اسلام کے ڈھانچے پر جس قدر اور جس طرح چاہیں، گوشت پوست چڑھائیں اور جس طرح چاہیں اپنے خودساختہ اسلام کی شکل بنالیں۔"[23]

ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا محمد عاشق الٰہی رقم طراز ہیں:

"قرآن حکیم میں اوامر و نواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دے دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش ہیں، اعمال کی بندش میں آنے کو تیار نہیں، ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اس لئے آزادی کا راستہ نکالنے کے لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ فلاں بات قرآن میں دکھاؤ۔"[24]

کم علمی اور جہالت:

برصغیر کے منکرین حدیث کے لٹریچر کے مطالعہ اور حدیث کے بارے میں ان کے خود ساختہ اور من گھڑت شبہات اور اعتراضات کو دیکھ کر اس چیز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ تو علم حدیث پر عبور رکھتے ہیں اور نہ ہی علومِ قرآنی کی گہرائیوں سے واقف ہیں۔ چونکہ قرآن و سنت اور ان کے مستند مآخذ تک منکرینِ حدیث کی رسائی نہیں لہٰذا ان کی توجیہ بھی ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ رسولؐ پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"جہاں تک میں نے معترضین حدیث کی مشکلات کا اندازہ لگایا ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتبِ حدیث تک محدود ہوتا ہے۔ وہ ان اُصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہے، وہ فرض ہے، سنت ہے، جائز ہے یا مباح ہے بلکہ انہوں نے تو احکام کے اس فرق کو جاننے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی اور پھر بے چارے وہم و گمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور اسی طرح اپنے خود ساختہ اوہام میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔"[25]

منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں، وہ علم حدیث پر بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع و اقسام اور راویوں سے متعلق فنِ تنقید و تحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں۔ ان میں تطبیقِ آیات و احادیث کا فن بھی مفقود ہے جس کے لئے مسلسل اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر احادیثِ نبویؐ کی صحیح عظمت و افادیت واضح نہیں ہو سکتی۔"[26]

منکرینِ حدیث کی جہالت کے حوالے سے مولانا محمد اسماعیل سلفی رقم طراز ہیں:

"انکارِ حدیث احساسِ کمتری کی پیداوار ہے جس نے گریز پائی کی صورت اختیار کرلی ہے۔ جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو چونکہ یہ قرآن و سنت اور اس کے مستند مآخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے، اس لئے بھاگنا شروع کردیتے ہیں جس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ نصوص کا انکار کردیں اور احادیث کے متعلق تو وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔"[27]

عقل کو معیار بنانا: تاریخ اسلام اس چیز کی گواہ ہے کہ جب بھی اسلام میں کسی فرقہ یا گروہ نے اپنے عقائد و نظریات کو داخل کرنا چاہا تو عقل کا سہارا لیا اور عقل کی برتری کو منوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے انکارِ حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔ برصغیر میں انکارِ حدیث کے دیگر اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث نے بعض ایسے اُمور میں عقل کا فیصلہ مانا جہاں عقل عاجز ہے۔ مثلاً جو حدیث عقل میں نہ آئی، اس کو ماننے سے انکار کردیا۔ حالانکہ انسانی عقل وحی کی محتاج ہے اور اسے قدم قدم پر رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ عقل کی بنیاد پر حدیث کو قبول نہ کرنے کے معیار اور عقل کی بے بسی کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد ادریس فاروقی لکھتے ہیں:

"بعض حضرات نے تو حدیث کے ٹھکرانے اور ناقبول کرنے کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور فکر کو قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو، سند کتنی مضبوط ہو، رواۃ کتنے بے عیب ہوں۔ پوری اُمت نے قبول کیا ہو، ان کی بلا سے، انہیں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے کامل نبیؐ کو اپنی ناقص عقل سے کم تر مقام دیا جو کہ افسوسناک بلکہ خطرناک ہے۔ عام طور پر ہمارے انگریزی خواں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اُصول کو قبول فرمالیتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئے، اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ عقل تو خام ہے۔ پھر عقل میں تفاوت ہے، سب کی عقل ایک جیسی نہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر مادّیت کا غلبہ ہے اور اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود و قیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر ناآشنا ہے۔ خود فرمایئے مطلق عقل، اور پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کرسکتی ہے؟"[28]

دنیاوی اغراض و مقاصد کا حصول:

انکارِ حدیث کی ایک وجہ اغراض و مقاصد کا حصول بھی ہے جن کی خاطر جان بوجھ کر منکرین حدیث اس گمراہی کے مرتکب ہوئے چنانچہ شارح مشکوٰۃ المصابیح لکھتے ہیں:

"منکرین حدیث اور ان کے پیشوا علمائے یہود کی مانند محض دنیوی اغراض و مفادات کے لئے دیدہ و دانستہ 'کتمانِ حق' بھی کرتے ہیں اور 'التباسِ حق و باطل' بھی۔"[29]

پروفیسر محمد فرمان نے انکار حدیث کی وجوہات کے حوالے سے لکھتے ہے:

"ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ و منصب کے لئے حدیث کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی محبوب کا اشارہ پاکر یہ تحریک شروع کرر کھی ہے بعضوں نے کم علمی اوراسلام کے سطحی مطالعہ کی بنیاد پر یہ روش پسند کرلی ہے۔"[30]

انکارِ حدیث کے خارجی اسباب:

برطانوی سامراج کی سازش: ہندوستان پر انگریز حکومت کی مکمل عملداری اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں کامیابی کے بعد انگریز، مسلمانوں کو اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے لگے کیونکہ انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اور انہیں ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ رہتا تھا۔ مزید برآں جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا تھا، لہٰذا وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں کچلنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے رستے کی سب سے بڑا رکاوٹ مسلمانوں کی اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ مکمل وابستگی اور آپس کا اتحاد تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لئے مختلف سازشیں شروع کر دیں۔ مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کئے۔ ان فتنوں میں انکارِ ختمِ نبوت اور انکارِ حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ان فتنوں کی مکمل پشت پناہی کی۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانابلند شہری لکھتے ہیں:

"انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے افراد بنائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں۔ اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیاتِ قرآنیہ کی تحریف کی۔ بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگریاں لینے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ گمراہی، الحاد، زندیقیت لے کر آئے۔ مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کر دیا۔ اسلام پر اعتراضات کئے جو ان کے نفوس میں اثر کر گئے اور علما سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مستشرقین سے متاثر ہو کر ایمان کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے سکول اور کالجوں میں الحاد اور زندقہ کی جو تخم ریزی کی تھی، اس

کے درخت مضبوط اور بار آور ہوگئے اور ان درختوں کی قلم جہاں لگتی چلی گئی، وہیں ملحدین اور زندیق پیدا ہوتے چلے گئے۔"[31]

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازشوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے، فتنۂ انکارِ حدیث ان سازشوں کی ایک اہم کڑی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں فتنۂ انکار حدیث کے اسباب اور اثرات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں:

"تیرہویں صدی میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے۔ ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جاچکی تھی۔ ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہوچکا تھا اور ان کو معاشی حیثیت سے بُری طرح کچل ڈالا گیا تھا، ان کا نظامِ تعلیم درہم برہم کر دیا گیا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین، اور اپنے اجتماعی وسیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔

ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحین کے فلسفہ و سائنس اور ان کے قوانین اور تہذیبی اُصولوں سے سابقہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات، جو افکار و تخیلات، جو اُصولِ تہذیب و تمدن اور جو قوانین حیات آرہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کرکے حق وباطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔"[32]

مستشرقین کی خوشہ چینی: مستشرقین نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے حدیثِ رسولؐ کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات اور بے بنیاد اعتراضات پیش کرکے حدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو اٹھانے کی سرتوڑ کوششیں کیں جس کے اثرات برصغیر کے منکرین حدیث پر بھی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے بارے میں یہاں کے منکرین حدیث کے بڑے بڑے شبہات اور مستشرقین کے شبہات میں مماثلت پائی جاتی ہے، جس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں انکارِ حدیث کا ایک اہم سبب مستشرقین کی حدیثِ رسولؐ کے خلاف علمی فتنہ انگیزیاں ہیں۔ مستشرقین کے فتنۂ انکار حدیث کے محرک ہونے کی دلیل کے لئے پروفیسر عبدالغنی 'منکرین حدیث کے اعتراضات' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہِ راست ماخوذ ہیں مثلاً حدیث کے متعلق اگر گولڈ زیہر (Gold Ziher)، سپرنگر (Sprenger) اور ڈوزی (Dozy) کے لٹریچر کا مطالعہ کیا

جائے تو آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من وعن وہی ہیں جو ان مستشرقین نے کئے ہیں۔"[33]

برصغیر کے فتنۂ انکار حدیث میں مستشرقین کے لٹریچر کے اثرات کے حوالے سے مولانا محمد فہیم عثمانی تحریر کرتے ہے:

مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کی اندھا دھند تقلید سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ڈھائی سو برس بعد احادیث کے قلمبند ہونے کی باتیں اور اس طرح حدیث کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کی سکیمیں، یہ رجالِ حدیث کی ثقاہت پر اعتراضات اور یہ عقلی حیثیت سے احادیث پر شکوک وشبہات کا اظہار، یہ سب کچھ مستشرقین یورپ کی اُتارن ہیں جن کو منکرین حدیث پہن پہن کر اِتراتے ہیں۔"[34]

مفتی ولی حسن ٹونکیؒ لکھتے ہے:

"اور حیران کن بات یہ ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ و مرجع انہی دشمنانِ اسلام، مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات وشبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں، وہی اعتراضات و شبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔"[35]

برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کے فتنے کے اُٹھتے ہی اس خطے کے مسلمانوں میں منکرین حدیث کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ علماء کرام اور محققین اسلام نے بالعموم اور مفکر اسلام مولانا سید ابو الاعلی مودودی رحمہ اللہ نے بالخصوص منکرین حدیث کے مبنی بر انکارِ حدیث اعتراضات کی تردید کے لئے درجنوں کتب لکھیں، مختلف رسائل میں حجیتِ حدیث پر مقالے شائع ہوئے۔ قلمی کاوشوں کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جوں جوں منکرین حدیث آگے بڑھتے گئے اور نئے نئے شبہات لاتے گئے، توں توں حجیتِ حدیث پر بھی زیادہ وزنی دلائل پیش کئے جاتے رہے۔ منکرین حدیث کے ساتھ مختلف علمائِ کرام کے علمی مناظرے بھی ہوئے مگر منکرین حدیث نہ صرف اپنے موقف پر قائم رہے بلکہ نئے نئے حیلوں بہانوں سے حدیث کے حوالے سے شبہات سامنے لاتے رہے۔ منکرین حدیث نے اپنے مشن کو باقاعدگی اور مقرر پروگرام کے تحت آگے بڑھایا، مگر اپنی پوری قوتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود منکرین حدیث انحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ حجیتِ حدیث پر متعدد کتب لکھے جانے کے باعث منکرین حدیث کو منہ کی کھانی پڑی۔ انہیں معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

حجیتِ حدیث یا حجیتِ سنت:

حجیتِ حدیث یا حجیتِ سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سنت کی شریعت میں قانونی، دینی، اور عملی حیثیت کو تسلیم کرنا ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ اسلامی شریعت کے بنیادی مصادر ہیں۔ سنت کو قرآن کی تفصیل، وضاحت، اور عملی تطبیق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو دین کے بہت سے احکام اور اصول ناقص اور غیر مؤثر ہو جاتے ہیں۔

قرآن میں سنت کی حجیت:

قرآن مجید میں سنت کی حجیت پر کئی آیات موجود ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور ان کے فیصلوں کو واجب قرار دیا گیا ہے:

1. رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دینا:

"جو رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اللہ کی اطاعت کرے گا۔"[36]

2. رسول کو دین کی وضاحت کے لیے مبعوث کرنا:

"اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وضاحت کریں جو ان پر نازل کیا گیا ہے۔"[37]

3. رسول کے فیصلے کو تسلیم کرنا:

"کسی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کریں تو وہ اپنے معاملے میں کوئی اور اختیار رکھیں۔"[38]۔"[39]

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی سنت کی آئینی حیثیت پر خدمات:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (1903–1979) کی خدمات میں سنت کی آئینی حیثیت پر ان کے افکار نے ایک اہم مقام حاصل کیا۔ انہوں نے سنت کو صرف ایک تاریخی یا ثقافتی عنصر نہیں سمجھا، بلکہ اسے دین اسلام کے دوسرے مصدر کے طور پر تسلیم کیا اور اس کی شرعی حیثیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کی فکری خدمات نے منکرین حدیث اور سنت کے انکار کرنے والوں کے مقابلے میں سنت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ان کی کتاب سنت کی آئینی حیثیت اس حوالے سے ایک سنگ میل ہے جس میں انہوں نے سنت کی اصولی حیثیت، اس کے قرآن کے ساتھ تعلق، اور اس کی حجیت پر تفصیل سے دلائل دیئے۔

مولانا مودودی کی سنت کی آئینی حیثیت پر خدمات:

1. سنت کی قرآن کے ساتھ تعلق کا بیان

مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں واضح کیا کہ قرآن مجید اور سنت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن مجید میں جو احکام عام طور پر دیئے گئے ہیں، ان کی تفصیل اور عملی تطبیق سنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ مولانا نے سنت کی آئینی حیثیت میں کہا:

"قرآن کے بیشتر احکام کو صرف اور صرف سنت کے ذریعے ہی سمجھا اور ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اگر سنت کو حجیت نہ دی جائے تو قرآن کے بہت سے احکام غیر واضح اور ناقابلِ عمل رہ جائیں گے۔"[40]

مولانا مودودی کا یہ موقف تھا کہ اگر سنت کو ہٹا دیا جائے تو قرآن کا پیغام مکمل طور پر غیر واضح ہو جائے گا، کیونکہ بہت سے اصول قرآن میں عمومی طور پر بیان ہوئے ہیں، ان کی تفصیل اور عملی نفاذ سنت کی مدد سے ہوتا ہے۔

2. سنت کی حجیت پر منکرین حدیث کا رد:

مولانا مودودی نے سنت کے انکار کرنے والوں کے دلائل کا تفصیل سے تجزیہ کیا۔ انہوں نے اپنے تحقیقی مقالے اور کتابوں میں یہ ثابت کیا کہ سنت کی حجیت دین اسلام کے نظام کا لازمی جزو ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حدیث کی اہمیت و حجیت کو رد کرنا دراصل دین کی اساس کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں: "اگر سنت کو حجت نہ سمجھا جائے تو دین کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور فردی تشریحات کا دور شروع ہو جائے گا جس میں ہر شخص اپنے مطابق قرآن کی تشریح کرے گا۔"[41]

3. سنت کی تفصیل اور قرآن کے اجمالی احکام کا بیان:

مولانا مودودی نے سنت کی آئینی حیثیت میں اس بات پر زور دیا کہ قرآن میں جو احکام دیے گئے ہیں، ان کی تفصیل سنت کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک مثال کے طور پر انہوں نے نماز اور زکوٰۃ کی وضاحت پیش کی:

"قرآن میں نماز کی فرضیت کا ذکر ہے، لیکن نماز کے اوقات، رکعات، اور طریقہ کار سنت سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت قرآن میں ہے، لیکن اس کی مقدار اور تقسیم کی تفصیل سنت ہی فراہم کرتی ہے۔"[42]

یہ بیان اس بات کا غماز ہے کہ قرآن کی عمومی ہدایات کو عملی شکل دینے اور ان پر عمل درآمد کی تفصیلات سنت کے ذریعے ہی ملتی ہیں۔

4. سنت کا دینی تسلسل:

مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں کہا کہ سنت کے ذریعے ہی دین کا تسلسل قائم رہتا ہے۔ اگر سنت کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے دین کا عملی تسلسل ٹوٹ جائے گا اور ہر فرد اپنی مرضی سے دین کی تشریح کرنے لگے گا:

"سنت کا انکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کا تسلسل ختم ہو جائے گا، کیونکہ سنت کے ذریعے ہی دین کی تعلیمات نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔"[43]

5. رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کا دفاع:

مولانا مودودی نے سنت کو رد کرنے کو رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کو محدود کرنے کے مترادف قرار دیا۔ ان کے مطابق، اگر سنت کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کو صرف پیغام رساں تک محدود کر دیں گے، حالانکہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ وہ فقط پیغام رسان نہیں تھے بلکہ ایک قانون ساز بھی تھے:

"رسول اللہ ﷺ کی سنت کو رد کرنا، دراصل آپ کی شخصیت کو صرف پیغام رساں تک محدود کر دینا ہے، حالانکہ قرآن آپ کو قانون ساز کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔"[44]

حجیت حدیث کے حوالے سے مولانا مودودی کا عملی خدمات:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے عملی طور پر حدیث و سنت کو حجیت ثابت کرنے کے لیے عملی طور پر کام کیا اور اس بات کو ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کی سنت ہو بہو اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن مجید حجت ہے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ایک تو ان لوگوں سے خطوط کے ذریعے بحث کی جو سرے سے احادیث کو مانتے ہی نہیں یا تو مانتے تھے مگر ان کو حجت ماننے سے منکر تھے۔ جس کو "رسائل و مسائل" اور "سنت کے آئینی حیثیت" میں شائع کیا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر تصانیف "تفہیمات" اور "تفہیم القرآن" میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن اور سنت کا باہمی ربط جگہ جگہ اپنے تقاریر، تحاریر اور خطوط میں زکر کیا۔ اور اس بات کو نہایت احسن طریقے سے سمجھایا کہ اگر سنت کو حجیت نہ مانا جائے تو کیا نقصان ہو تا ہے۔

انہی خدمات پر ہم ذیل مختصر کلمات پیش کرتے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا منکرین حدیث کے ساتھ مباحثہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سنت کی آئینی حیثیت میں منکرین حدیث کے ساتھ ایک اہم اور تفصیلی فکری مباحثہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے حدیث اور سنت کی حجیت کے دفاع میں دلائل فراہم کیے۔ ان کا

بنیادی مقصد یہ تھا کہ حدیث کو رد کرنا دراصل دین کی اساس کو کمزور کرنے کے مترادف ہے اور اس کے نتیجے میں اسلامی شریعت میں تفصیل اور توازن کا فقدان ہو گا۔

منکرین حدیث کے دلائل اور ان کا تجزیہ:

مولانا مودودی نے منکرین حدیث کے متعدد دلائل کا تجزیہ کیا، جو سنت اور حدیث کی حجیت کے انکار کی بنیاد پر تھے۔ ان دلائل کو تین اہم نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(ا) حدیث کا انسانی عمل سے تعلق

منکرین حدیث کا ایک اہم اعتراض یہ تھا کہ چونکہ حدیث کا جمع کرنا انسانوں کا عمل تھا، اس لیے اس میں خطا اور بشری دخل ممکن ہے۔ ان کے مطابق، حدیث ایک غیر متواتر نوعیت کی روایت ہے اور اس میں غلطیوں کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

مولانا مودودی کا جواب:

مولانا مودودی نے اس اعتراض کا رد کیا اور کہا کہ حدیث کے جمع کرنے کے عمل میں ایسی احتیاطیں اختیار کی گئی تھیں جن کے ذریعے اس میں غیر یقینی مواد کی مقدار کم سے کم رکھی گئی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ متواتر حدیثوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو بلا کسی شک و شبہ کے قابل اعتماد ہے۔ "حدیث کا جمع کرنا ایک ایسا منظم اور متفقہ عمل تھا جس میں بہت سی تدابیر اختیار کی گئیں تاکہ اسے قابل اعتبار بنایا جا سکے۔"[45]

(ب) قرآن کی مکمل حجیت

منکرین حدیث کا دوسرا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید میں تمام ضروری ہدایات موجود ہیں، لہٰذا کسی دوسری ماخذ کی ضرورت نہیں۔

مولانا مودودی کا جواب:

مولانا مودودی نے اس بات کو رد کیا اور کہا کہ قرآن کی عمومی ہدایات کی تفصیل اور عملی اطلاق سنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ان کے مطابق، قرآن میں بہت سے اصول اور ہدایات اجمالی طور پر دی گئی ہیں، اور ان کی تفصیل صرف اور صرف سنت کے ذریعے ممکن ہے۔

"اگر سنت کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن کے بیشتر احکام غیر واضح رہیں گے، کیونکہ قرآن نے جو ہدایات دی ہیں وہ زیادہ تر اصولی نوعیت کی ہیں۔"[46]

(ج) رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کو محدود کرنا

منکرین حدیث کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ حدیث کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو ایک قانون ساز اور شارع کے طور پر تسلیم کرنا قرآن کی نصوص کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن میں واضح طور پر اللہ کی وحدانیت اور اس کی شریعت کا ذکر ہے۔

مولانا مودودی کا جواب:

مولانا مودودی نے اس اعتراض کا جواب دیا اور کہا کہ قرآن نے رسول اللہ ﷺ کو صرف پیغام رساں کے طور پر نہیں بلکہ ایک قانون ساز اور شارع کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ ان کے مطابق، قرآن نے نہ صرف اصول دیے ہیں بلکہ ان اصولوں کی تفصیل دینے کا اختیار بھی رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے۔

"قرآن میں یہ واضح ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے، اور آپ ﷺ کو شریعت کی تفصیل دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔"[47]

2. منکرین حدیث کے خطرات:

مولانا مودودی نے یہ بھی بیان کیا کہ حدیث کے انکار کے نتیجے میں کیا سنگین اثرات مرتب ہو سکتے ہیں:

(ا) دین کی وضاحت کا فقدان

مولانا مودودی کے مطابق، اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے بیشتر احکام اجمالی طور پر رہ جائیں گے اور ان کی عملی تفصیل نہیں مل سکے گی۔ نتیجے کے طور پر، دین کا فہم اور اس پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

"اگر سنت کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کے بہت سے احکام غیر واضح اور ناقابلِ عمل رہ جائیں گے۔"[48]

(ب) دینی تفرقہ اور اختلافات

مولانا مودودی نے یہ واضح کیا کہ حدیث کے انکار کے نتیجے میں فرقہ واریت میں اضافہ ہو گا اور ہر شخص اپنی مرضی سے قرآن کی تشریح کرے گا۔ اس سے دین میں تفرقہ اور اختلافات پیدا ہوں گے۔

"سنت کو رد کرنا دین کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتا ہے، اور ہر شخص اپنی مرضی سے قرآن کی تشریح کرنے لگتا ہے۔"[49]

3. سنت کی عملی اہمیت اور دینی تسلسل:

مولانا مودودی نے واضح کیا کہ سنت نہ صرف قرآن کی وضاحت کرتی ہے بلکہ دین کی عملی تعلیمات اور شریعت کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ اگر سنت کو رد کیا جائے تو دین کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور ہر نسل اپنی مرضی سے دین وضع کرے گی۔

"سنت کے ذریعے دین کا تسلسل چودہ سو سال سے برقرار ہے۔ اگر اسے رد کر دیا جائے تو ہر نسل دین کی اپنی تشریح کرنے لگے گی، اور دین کی اصل شکل باقی نہیں رہے گی۔"[50]

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے نزدیک سنت اور قرآن کا باہمی ربط:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے قرآن اور سنت کے باہمی ربط کو اسلامی شریعت کے تناظر میں بہت اہمیت دی ہے۔ ان کے نزدیک، قرآن اور سنت ایک دوسرے کے مکمل کرنے والے اور مددگار ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ قرآن کا مقصد بنیادی طور پر دین کے اصولوں کی تشریح اور رہنمائی فراہم کرنا ہے، جبکہ سنت ان اصولوں کی تفصیل فراہم کرتی ہے اور ان کے عملی اطلاق کی وضاحت کرتی ہے۔

1. قرآن کا بنیادی مقصد اور سنت کی تفصیل:

مولانا مودودی کے مطابق، قرآن نے دین کے اصول بیان کیے ہیں، لیکن ان اصولوں کی تفصیل اور عملی تطبیق سنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ قرآن میں بہت سی ہدایات مختصر اور اجمالی انداز میں آئی ہیں، جن کی مکمل وضاحت اور تفصیل سنت کے ذریعے فراہم کی گئی ہے۔

مثالیں: نماز: قرآن میں نماز کے حکم کا ذکر ہے (سورۃ البقرہ: 43) لیکن اس کے طریقہ کار اور آداب کی وضاحت سنت سے ملتی ہے۔

زکوٰۃ: قرآن میں زکوٰۃ کے اصول بیان کیے گئے ہیں (سورۃ التوبہ: 60) لیکن اس کی مقدار، تقسیم کے طریقے اور دیگر تفصیلات سنت کے ذریعے آئی ہیں۔

حج: قرآن میں حج کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ الحج: 27)، لیکن اس کی تفصیل اور مناسک کی وضاحت سنت سے ہی ہوئی ہے۔

"قرآن میں جو ہدایات دی گئی ہیں، وہ اصولی نوعیت کی ہیں۔ ان اصولوں کو عملی طور پر کیسے نافذ کرنا ہے، اس کی تفصیل اور وضاحت صرف سنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔"[51]

2. قرآن کی صحیح تفہیم میں سنت کا کردار:

مولانا مودودی نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کی صحیح تفہیم کے لیے سنت کا ہونا ضروری ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے، اور آپ کے اقوال و افعال قرآن کی تشریح فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بغیر، قرآن کے بیشتر احکام اور ہدایات مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آسکتے۔

"قرآن کی تفسیر اور اس کے احکام کی صحیح تفہیم سنت کے بغیر ممکن نہیں۔ سنت قرآن کا عملی مظہر ہے اور اس کی تشریح کرتی ہے۔"[52]

3. قرآن اور سنت کا ایک وحدت کی شکل میں عمل کرنا:

مولانا مودودی کے مطابق، قرآن اور سنت دونوں کا مقصد ایک ہی ہے: اسلامی معاشرتی اور اخلاقی نظام کی تکمیل۔ سنت کو رد کرنا دراصل قرآن کو مکمل طور پر نافذ نہ کرنے کے مترادف ہے۔ مولانا نے وضاحت کی کہ دونوں کا باہمی ربط دین کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور ایک کے بغیر دوسرا ناکام رہتا ہے۔

"قرآن اور سنت ایک ہی نظام کے دو حصے ہیں۔ قرآن میں جو بات اصولی طور پر کہی گئی ہے، اس کی تفصیل سنت میں ہے، اور دونوں کا تعلق ایک ہی مقصد سے ہے یعنی دین کی تکمیل۔"[53]

4. حدیث کی حجیت اور قرآن کی تفصیل:

مولانا مودودی نے کہا کہ حدیث کی حجیت قرآن کے اصولوں کی وضاحت کرتی ہے اور ان اصولوں کی عملی تفصیلات کو بیان کرتی ہے۔ اس کے ذریعے قرآن کی اجمالی ہدایات مکمل طور پر نافذ کی جاتی ہیں، اور دین کا تسلسل برقرار رہتا ہے۔

"حدیث قرآن کی تفسیر اور اس کی مکمل تفصیل فراہم کرتی ہے۔ اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے بہت سے احکام غیر واضح اور ناقابلِ عمل رہ جائیں گے۔"[54]

5. دینی نظام کی تکمیل میں دونوں کا کردار:

مولانا مودودی نے کہا کہ قرآن اور سنت دونوں کا ایک مشترکہ مقصد ہے: اسلامی شریعت کا نفاذ اور دین کا عملی اطلاق۔ قرآن کی تعلیمات کو عملی شکل دینے کے لیے سنت کی ضرورت ہے، اور دونوں کا آپس میں ایک گہرا تعلق ہے جو دین کی مکمل تفصیل کو فراہم کرتا ہے۔

"قرآن اور سنت ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے۔ دونوں کا باہمی ربط دین کی تکمیل کے لیے ضروری ہے، اور ان کے بغیر اسلامی نظام کا عملی نفاذ ممکن نہیں۔"[55]

سنت کی آئینی حیثیت:

اسلامی شریعت، فقہ اور قانون میں سنت کے مقام و مرتبے کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی حوالہ ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے نظریات کو رد کرنے کے لیے لکھی گئی ہے جو قرآن کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن سنت کو یا تو مکمل

طور پر مسترد کرتے ہیں یا اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سید مودودی نے کتاب میں نہایت عقلی، علمی اور دینی انداز میں سنت کی بنیادی حیثیت کو واضح کیا ہے اور اس پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

کتاب کا پس منظر:

"سنت کی آئینی حیثیت" ان حالات میں لکھی گئی جب برصغیر میں منکرین حدیث اور منکرین سنت کے خیالات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ یہ گروہ سنت کو اسلام کے قانونی ماخذ کے طور پر تسلیم نہیں کرتا تھا اور اسے ایک تاریخی یا غیر ضروری عنصر قرار دیتا تھا۔ سید مودودی نے ان نظریات کا رد کرنے اور مسلمانوں کو سنت کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے یہ کتاب تحریر کی۔

کتاب کا مرکزی موضوع:

کتاب کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ سنت، اسلامی شریعت کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے اور یہ قرآن کے بغیر نہ تو مکمل ہے اور نہ ہی صحیح طور پر قابل فہم۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت، قرآن کے احکامات کی عملی تشریح اور توضیح ہے۔ مودودی کا مؤقف یہ ہے کہ قرآن اور سنت لازم وملزوم ہیں، اور دونوں کو علیحدہ کرنا اسلام کی اصل روح کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

کتاب کے اہم مباحث:

سید مودودی نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن ایک جامع اور کامل کتاب ہے، لیکن اس میں بعض احکامات اجمالی انداز میں بیان کیے گئے ہیں، جنہیں سمجھنے کے لیے سنت کی ضرورت ہے۔

فریضہ صلوٰۃ: قرآن میں نماز کا حکم موجود ہے لیکن اس کے طریقے اور اوقات کی وضاحت سنت کرتی ہے۔

فریضہ زکوٰۃ: قرآن میں زکوٰۃ کا حکم دیا گیا، لیکن زکوٰۃ کی شرح اور تفصیلات سنت کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کو عملی شکل دینے کے لیے سنت ناگزیر ہے۔

سنت کا آئینی و تشریعی حیثیت:

مودودی نے وضاحت کی کہ سنت صرف نبی ﷺ کی ذاتی یا اخلاقی ہدایات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک قانونی ماخذ ہے۔ سنت کی پیروی مسلمانوں پر اسی طرح فرض ہے جیسے قرآن کی پیروی۔

اسلامی ریاست کے قیام اور شریعت کے نفاذ کے لیے سنت کا کردار آئینی حیثیت رکھتا ہے۔

منکرین سنت کا رد:

کتاب میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو منکرین سنت نے اٹھائے ہیں۔ مثال کے طور پر، منکرین کا دعویٰ تھا کہ قرآن کافی ہے اور حدیث یا سنت کی ضرورت نہیں۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اس کے جواب میں دلائل دیئے کہ قرآن کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے سنت لازمی ہے۔

سنت کی حفاظت:

مودودی نے اس بات کو واضح کیا کہ سنت اور حدیث کا تحفظ بھی اللہ کی جانب سے کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کی حفاظت کی گئی ہے۔ حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین نے سخت محنت کی، اور اسناد کے نظام (chain of narration) کے ذریعے احادیث کو محفوظ رکھا۔

سنت کی تاریخی اور عملی حیثیت:

مصنف نے سنت کو نبی اکرم ﷺ کی عملی زندگی کا نمونہ قرار دیا۔ اسلامی قانون، معاشرتی اصول، عبادات اور معاملات میں سنت کی پیروی کو ایک لازمی امر بتایا۔

مصنف کا اسلوب:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے اپنے دلائل کو مضبوط بنانے کے لیے قرآن، حدیث، تاریخی شواہد، اور عقلی استدلال کا سہارا لیا ہے۔ عمومی اسلوب سوال اور جواب کا ہے عام فہم اور قاری کو قائل کرنے والا ہے۔ وہ پیچیدہ مسائل کو سادہ انداز میں پیش کرتے ہیں اور ہر بات کو منطقی انداز میں بیان کرتے ہیں۔

کتاب کی اہمیت:

یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

منکرین سنت کے نظریات آج بھی موجود ہیں، اور یہ کتاب ان کے اعتراضات کا علمی اور مدلل جواب فراہم کرتی ہے۔ یہ کتاب عام مسلمانوں کو یہ شعور دیتی ہے کہ سنت کے بغیر اسلام کا فہم ممکن نہیں ہے۔

کتاب کی خوبیاں:

مودودی نے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے اصولوں کی گہری تفہیم پیش کی ہے۔

کتاب میں موضوع کو مکمل طور پر پیش کیا گیا ہے اور ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل پیش کیے ہیں، جو قاری کو قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

کتاب میں سنت کے عصری اطلاق پر مزید مثالیں دی جاسکتی تھیں، تاکہ قاری موجودہ مسائل میں اس کی اہمیت کو بہتر سمجھ سکے۔

بعض مقامات پر دلائل کو زیادہ طول دیا گیا ہے، جو عام قارئین کے لیے بوجھل ہو سکتا ہے۔

کتاب میں جدید دور کے سیکولر نظریات یا مغربی قوانین کے تناظر میں سنت کی حیثیت پر زیادہ زور دی گئی۔

سنت کی آئینی حیثیت" اسلامی شریعت کی تفہیم کے لیے ایک شاہکار کتاب ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس میں سنت کی اہمیت، قانونی و تشریعی حیثیت، اور مسلمانوں کے لیے اس کی ناگزیریت کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب ان لوگوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے جو قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اسلامی قانون کی بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

دور حاضر میں چند افراد نہایت عیاری وچالاکی اور چرب زبانی سے یہ کام کررہے ہیں جناب جاوید غامدی نہایت ملفوف طریقوں سے حدیث کی حجیت اور تاریخ کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ کبھی وہ حدیث اور سنت میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور حدیث دو الگ الگ اور مختلف چیزیں ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں

کہ حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ، عمل اور حکم ثابت نہیں ہوتا۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ سنت، خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے ثابت نہیں ہو سکتی اس کے لیے تواتر شرط ہے۔ اس طرح وہ مختلف حیلوں بہانوں سے حدیث کی اہمیت گھٹانے اور اسے دین اسلام سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[56]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک سنت کو حجیت نہ ماننے کے نقصانات:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تحریروں میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اگر سنت کو حجیت نہ دی جائے تو دین کے نظام میں سنگین خلل آسکتا ہے۔ انہوں نے اس بات کو اجاگر کیا کہ قرآن اور سنت دونوں کا باہمی ربط دین کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اگر سنت کو رد کر دیا جائے تو یہ نہ صرف دین کی مکمل تفہیم کو متاثر کرتا ہے بلکہ اس کے عملی نفاذ میں بھی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ مولانا مودودی نے سنت کو قرآن کی تفصیل اور وضاحت کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے، اور اگر اسے حجت نہ مانا جائے تو اس سے مختلف دینی، فکری اور عملی نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔

- **دین کا ناقص اور غیر مکمل ہونا:**

مولانا مودودی نے وضاحت کی کہ اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے بہت سے احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا۔ قرآن میں متعدد ہدایات اصولی نوعیت کی آئی ہیں، لیکن ان کی تفصیل اور عملی تطبیق سنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ سنت کے بغیر قرآن کے اکثر احکام عملی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔

"اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے بیشتر احکام غیر واضح اور ناقابلِ عمل ہو جائیں گے، کیونکہ ان کی تفصیل سنت کے ذریعے آتی ہے۔"[57]

- **قرآن کی غلط تفہیم کا خطرہ:**

اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو ہر فرد یا فرقہ قرآن کی اپنی مرضی سے تشریح کر سکتا ہے، جس کے نتیجے میں دین میں اختلافات اور انتشار پیدا ہو سکتے ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کرتی ہے اور قرآن کی صحیح تفہیم کے لیے ضروری ہے۔

"سنت کے بغیر قرآن کی تفسیر اور تفصیل میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے، اور دین کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"[58]

- **رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کا متاثر ہونا:**

مولانا مودودی نے کہا کہ سنت کو رد کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ قرآن میں رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے جوڑا گیا ہے، اور اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور اس کی اطاعت کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

"اگر سنت کو ترک کر دیا جائے تو رسول ﷺ کی حیثیت صرف پیغام رساں تک محدود ہو جائے گی، حالانکہ قرآن انہیں شارع (قانون ساز) کی حیثیت دیتا ہے۔"[59]

- **دین کا تسلسل ٹوٹنا:**

مولانا مودودی نے یہ بھی کہا کہ اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو دین کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ امت مسلمہ چودہ سو سال سے سنت کے ذریعے دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے متحد ہے، لیکن اگر سنت کو رد کیا جائے تو دین کا ایک ہی طریقہ پر عمل کرنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

"سنت کو رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کا تسلسل ختم ہو جائے گا، اور ہر فرد اپنے طور پر دین کو وضع کرے گا۔"[60]

- **اسلامی معاشرتی نظام کی عدم تکمیل:**

مولانا مودودی کے مطابق، سنت اسلام کے معاشرتی، سیاسی، اور اخلاقی نظام کی عملی شکل پیش کرتی ہے۔ اگر سنت کو حجت نہ مانا جائے تو اسلامی نظام کا نفاذ ممکن نہیں رہتا۔ سنت کے بغیر قرآن کے احکام عملی طور پر نافذ نہیں ہو سکتے اور معاشرتی زندگی کی صحیح تشکیل مشکل ہو جاتی ہے۔

"سنت کو رد کرنا دراصل قرآن کے اصولوں کو عملی شکل دینے سے انکار کرنا ہے، اور اس سے اسلامی معاشرتی نظام کا نفاذ مشکل ہو جاتا ہے۔"[61]

مولانا مودودیؒ کی حجیتِ حدیث پر خدمات سے متعلق اہلِ علم کے اقوال:

- **مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ:**

مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا مودودیؒ کی کتاب سنت کی آئینی حیثیت کے بارے میں فرماتے ہیں: "مولانا مودودی نے منکرین حدیث کے اعتراضات کا جس مدلل اور جامع انداز میں رد کیا ہے، وہ حدیث کی حجیت پر ایک گراں قدر علمی خدمت ہے۔"[62]

- **مولانا مفتی تقی عثمانیؒ**

مولانا تقی عثمانیؒ مولانا مودودی کی خدمات کو یوں بیان کرتے ہیں: "سید مودودی کی تحریریں خصوصاً سنت کی آئینی حیثیت نے منکرینِ حدیث کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا اور سنت کے مقام کو واضح طور پر اجاگر کیا۔ یہ کام اس وقت کیا گیا جب امت کو اس کی شدید ضرورت تھی۔"[63]

- **مولانا عبد الماجد دریابادیؒ:**

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: "مولانا مودودی نے سنت اور حدیث پر حملہ کرنے والوں کا علمی انداز میں جواب دے کر نہ صرف دین کی حفاظت کی بلکہ امت کے فکری انتشار کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔"[64]

- **امین احسن اصلاحیؒ:**

امین احسن اصلاحیؒ، مولانا مودودی کی خدمات کے بارے میں کہتے ہیں:
"سنت کی حجیت کے دفاع میں مولانا مودودی کا کردار عصرِ حاضر میں ایک روشن مثال ہے۔"[65]

- **علامہ یوسف القرضاویؒ:**

مصر کے مشہور عالم دین علامہ یوسف القرضاویؒ نے مولانا مودودی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"سید مودودی کی کتابیں اور ان کا علمی کام امت کے لیے سرمایہ ہیں۔ سنت کی حجیت کے حوالے سے ان کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔"[66]

- **مولاناوحید الدین خانؒ:**

مولاناوحید الدین خانؒ نے مولانامودودی کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"مولانامودودی نے منکرینِ حدیث کے خلاف جس علمی بصیرت سے کام کیا، وہ لائقِ تحسین ہے۔"[67]

- **ڈاکٹر حمید اللہؒ:**

ڈاکٹر حمید اللہؒ مولانامودودی کی خدمات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"مولانامودودی کا حدیث اور سنت پر علمی کام دورِ حاضر میں امت کی رہنمائی کے لیے ایک نایاب سرمایہ ہے۔"[68]

تحقیق کے لیے تجاویز:

- مولانامودودیؒ کی کتاب "سنت کی آئینی حیثیت"، "تفہیم القرآن" اور ان کے مضامین کا گہرا مطالعہ کریں۔
- حدیث اور سنت کے حوالے سے آج کے دور میں اٹھائے گئے سوالات اور مولانامودودیؒ کے دلائل کو موازناتی انداز میں پیش کریں۔
- مولانا کے معاصرین یا بعد کے علماء کی آراء کا جائزہ لیں جو ان کے کام کی توثیق یا تنقید کرتے ہیں۔
- مولانا کے نظریات کو فقہی اور آئینی پہلو سے دیکھیں، خصوصاً اسلامی ریاست میں سنت کی قانونی حیثیت پر۔

عملی تجاویز:

- مولانامودودیؒ کے حجیت حدیث کے حوالے سے خیالات کو عام کرنے کے لیے سیمینارز اور ورکشاپس کا انعقاد کریں۔
- مولانا کے خیالات کو سادہ زبان میں جدید قارئین کے لیے پیش کریں تاکہ ان کی فکر آسانی سے سمجھ میں آئے۔
- حجیت حدیث کے حوالے سے مولانا کے افکار کو جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق مزید واضح کیا جائے۔
- مولانامودودیؒ کی کتابوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ اور ان کی عملی تشریح پر کام کیا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ولي الدين ،إ مام، محمد بن عبدالله، مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة

[2] ۔ محمد صادق سیالکوٹی، ضربِ حدیث، سیالکوٹ، مکتبہ کتاب وسنت ، ۱۹۶۱ء، ص ۴۸

[3] ابن حزم، أبو محمد على بن أحمد، الإحكام في أصول الأحكام ، مصر مكتبة الخانجى، شارع عبدالعزيز، ۱۹۲۰ء ج۱ ص ۱۱۴

[4] نجم الغنی،محمد،مذاہب الاسلام، انڈیالکھنؤ، مطبع منشی نو لکشور، ۱۹۲۴ء ص ۱۰۱

[5] مفتی ولی حسن ٹونکی،عظیم فتنہ، کراچی ۱۹۸۴ء، ص۲۲

[6] امام ابن حزم، ابو محمدعلی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام مصر مکتبہ الخانجی،شارع عبدالعزیز، ۱۹۲۰ء،ج ۱،ص ۱۱۹

[7] مودودی،مولاناسیدابو الاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ۱۹۶۳ء،ص ۱۴

[8] امرتسری،مولانا ثناء اللہ،حجیت حدیث اوراتباع رسولﷺ، ہندوستان، امرتسری کتب خانہ ثنائیہ، ۱۹۲۹ء ص۱

[9] عثمانی، مفتی محمد تقی، درس ترمذی، کراچی مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۹۸۰ء ص۲۶

[10] مودودی، سنت کی آئینی حیثیت،ص۱۶

[11] مفتی رشیداحمد، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، ۱۹۸۲ء ص ۷

[12] ندوی، عبدالقیوم، فہم حدیث، کراچی ، ص۱۳۸

[13] اجمیری، حکیم نورالدین،مقالہ 'انکارِ حدیث کی خشت اوّل' ماہنامہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی،حدیث نمبر، ۱۹۵۲ء ص ۱۴۷

[14] سلفی،مولانا محمد اسماعیل،حجیت حدیث، لاہور اسلامک پبلیکیشنز ہاؤس ۱۹۸۱ء ص۱۷

[15] پانی پتی، محمد اسماعیل، مقالات سرسید، لاہور مجلس ترقی ادب، ج۱۳، ص۱۷

[16] پروفیسر محمد فرمان، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات، ۱۹۶۴ء ص ۱۷۸۔۱۷۹

[17] برق، ڈاکٹر غلام جیلانی، تاریخ حدیث، لاہور مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء

[18] مفتی رشیداحمد،فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۰

[19] مولاناعبدالغفار حسن، عظمت ِحدیث، مقالات مولانا عبدالجبار عمرپوری، اسلام آباد، دارالعلم، ۱۹۸۹ء ص۴۹

[20] منکرین حدیث کے معروف لٹریچر عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ قرآن بآیات القرآن، غلام احمد پرویز کا رسالہ طلوعِ اسلام، عبداللہ چکڑالوی کا رسالہ اشاعۃ القرآن اور صلوٰۃ القرآن، سرسید احمد خان کی تصنیف خطباتِ احمدیہ، اور مقالات جیراج پوری وغیرہ۔

[21] شاہ محمد عزالدین، علوم الحدیث، لاہور ، ۱۹۳۵ء ص۶

[22] شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی،'حجیت حدیث' لاہور ، ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۶

[23] شیخ الحدیث محمد سرفراز خان صفدر، شوقِ حدیث، حصه اول گوجرانواله گکھڑ، انجمن اسلامیه، ۱۹۸۲ء، صفحه۹

[24] مفتی محمد عاشق الٰہی، فتنه انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور اداره اسلامیات، ۱۹۸۶ء ص ۹

[25] الازہری، پیرمحمد کرم شاہ، سنت خیرالانام، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۵۳ء ص ۱۷۹

[26] مولانا محمد قطب الدین،مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح، لاہور، ۱۹۶۶ء، ج۱، دیباچه کتاب

[27] سلفی ،مولانامحمد اسماعیل، حجیت حدیث، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز ہاؤس، ۱۹۸۱ء ص ۱۷۷

[28] فاروقی، محمد ادریس، مقام رسالت، لاہور مسلم پبلی کیشنز، ۱۹۷۰ء، ص۱۶

[29] مولانا محمد قطب الدین، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح، ۱۹۶۶ء، ج۱،سطن

[30] پروفیسرمحمد فرمان، انکار حدیث ایک فتنه ایک سازش، گجرات، مکتبه مجددیه نور پور شرقی، ۱۹۶۴ء ص۲۰۹

[31] مفتی محمد عاشق الٰہی، فتنه انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور اداره اسلامیات، ۱۹۸۶ء ص۷

[32] مودودی، مولانا سیدابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص۱۷

[33] قادری، پروفیسر عبدالغنی،ریاض الحدیث، لاہور، سنہ۱۹۶۹ ، ص۱۵۹

[34] فہیم عثمانی، مولانا محمد محترم، حفاظت و حجیت حدیث، لاہور، دارالکتب، ۱۹۷۹ئ، ص۱۳

[35] ٹونکی، مفتی ولی حسن، عظیم فتنه، کراچی، اقراء روضة الاطفال، ناظم آباد، ۱۹۸۴ء ص۲۶

[36] النساء4:80

[37] النحل16:44

[38] الاحزاب33:36

[39] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص72

[40] ایضاً: مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص34

[41] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1983، ص72

[42] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت،، ص59

[43] ایضاً: 1990، ص78

[44] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1972، ص54

[45] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص51

[46] ایضاً: ص36

[47] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات،، ص72

[48]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت،، ص57

[49]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات،، ص80

[50]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت،، ص67

[51]ایضاً: ص22

[52]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ص102

[53]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت،، ص58

[54]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات،، ص65

[55]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص92

[56]احمد، خورشید، اسلامی فکر کے معمار، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1981

[57]ایضاً: ص12

[58]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، ص54

[59]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ص101

[60]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، ص87

[61]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، ص73

[62]دیوبندی، محمد شفیع دیوبندی، ماہنامہ ترجمان القرآن، خصوصی اشاعت، لاہور 1949

[63]عثمانی، محمد تقی، فقہی مقالات، کراچی: دار الاشاعت، 1996

[64]عبد الماجد دریابادی، صدق جدید، لکھنؤ، جلد 34، شمارہ 2، 1949

[65]اصلاحی، امین احسن، تدبرِ حدیث، لاہور: ادارہ تدبر، 1975

[66]القرضاوی، یوسف، اسلام اور عصرِ حاضر کے مسائل، قاہرہ: دار الشروق، 1981

[67]خان، وحید الدین، تجدید دین، نئی دہلی: ادارہ تحقیق اسلامی، 1990

[68]حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت اور تاریخ، پیرس: دار الاشاعت الاسلامیہ، 1965